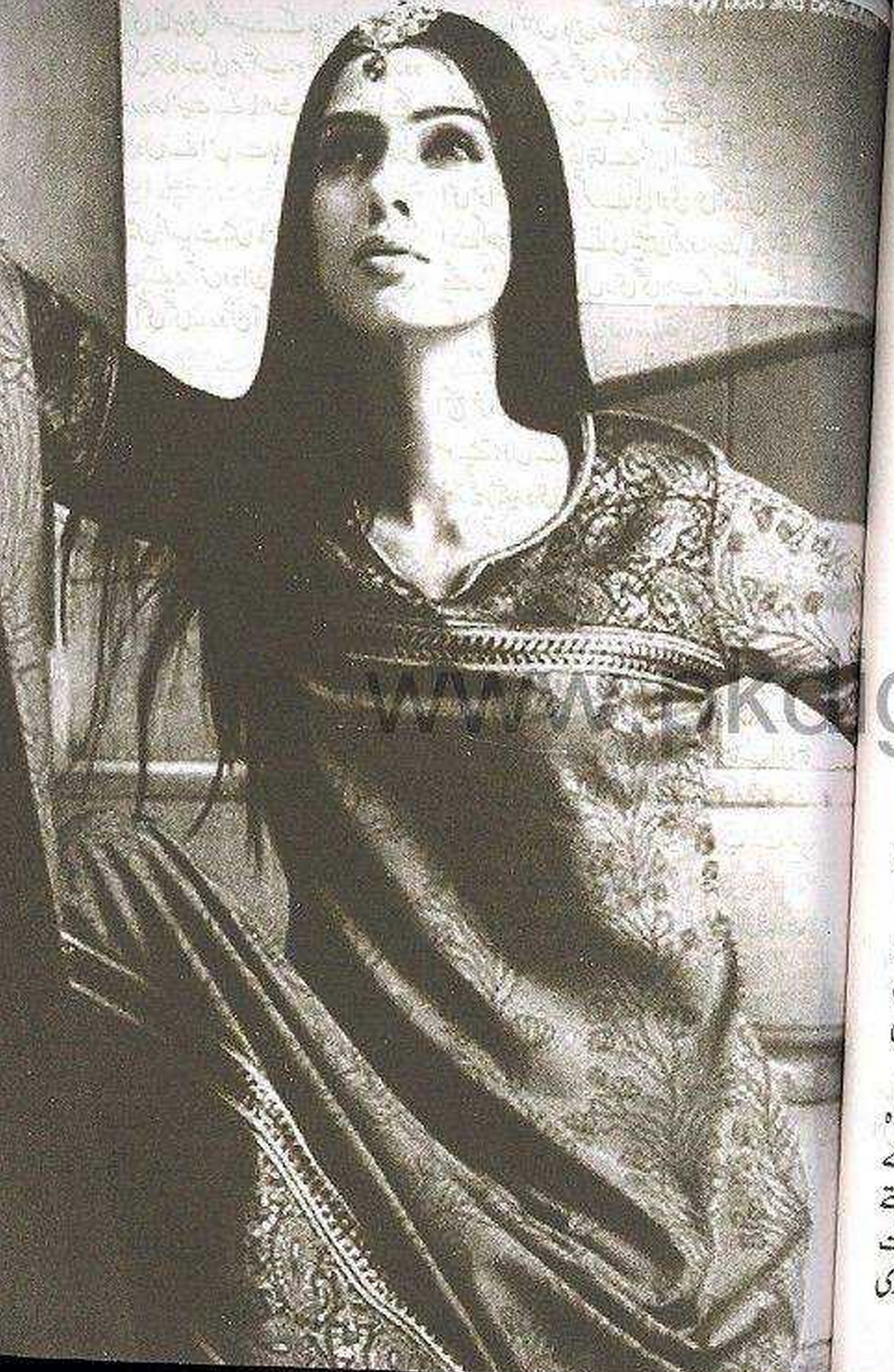

کوئی ایسا اہل دل ہو

اُم مریم

جو تیرے انتظار میں گزریں
ایسے لمحے گراں نہیں ہوتے
شہر خوباں کو چھوڑنے والو!
دل کے سودے کہاں نہیں ہوتے

انگلش ڈیپارٹمنٹ کی راہ داری کے بالکل سامنے سفیدے کے درخت سے ٹیک لگائے وہ بظاہر ثناء کی منتظر تھی، مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اسے ثناء کے بجائے سر دانیال بخاری کی ایک جھلک وہاں گھنٹوں کے لیے ہر روز لاتی تھی۔ عجیب پاگل لڑکی تھی وہ بھی دل کے کہے پر چل پڑی تھی۔ دل جو چاند کا تمنائی تھا۔ ہر چیز جو رسائی سے باہر ہو چاند کی طرح ہی ہوتی ہے، دانیال بخاری بھی چاند تھے۔ جو اس کے آنگن میں کبھی نہیں اُتر سکتے تھے۔ اس نے پہلو بدلا اور بے چینی سے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ آج وہ لیٹ ہوگئے تھے۔ اس نے کسی قدر بے زار ہو کر درختوں کی شاخوں میں خوب صورت لے میں چہچہاتی چڑیوں کو سر اٹھا کے گھورا، اس وقت اسے یہ آواز بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ یہ بے زاری اکتاہٹ اور کوفت میں بدلتی سر دانیال بخاری کو باہر آتے دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھا۔

چالیس برس کی عمر ہونے کے باوجود وہ بہت ہینڈسم تھے ان کی آنکھوں پر موجود سلور فریم کے گلاسز اور کنپٹیوں کے پاس ہلکے ہلکے سفید بالوں نے ان کی شخصیت کو مزید پُر وقار اور جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ بلیک سوٹ میں ان کی دراز قامت بہت نمایاں تھی۔ وہ بہت قیمتی لباس نہیں پہنتے تھے۔ اس کے باوجود بہت شاندار لگتے تھے۔ انہوں نے باوقار و پُر اعتماد چال چلتے ہوئے دوسری کلاس کی سمت جاتے یقیناً اس کی نگاہوں کو محسوس کر کے ہی لمحہ بھر کو اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جو اطراف سے بیگانہ ٹکٹکی باندھے ان کی سمت دیکھ رہی تھی ایک دم گڑبڑائی اور جھٹ سلام جھاڑ دیا۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے جواب تو دیا تھا، مگر لہجے میں ہمیشہ والی نرمی و شفقت مفقود تھی۔ انہوں نے اٹھتے ہوئے قدموں کو روک کر قدرے دھیان سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کیا نام ہے آپ کا، پڑھتی ہیں یہاں؟" وہ پچھلے ایک مہینے سے بلا ناغہ اسے وہاں کھڑے ہوتے اور اپنی طرف مبہوت ہو کے تکتے دیکھتے رہے تھے۔ اتنے بچے بھی نہیں تھے کہ اس کی حماقت سے انجان رہتے۔ اس سے پہلے بھی بہت ساری

لڑکیاں ان کی ظاہری شخصیت کے چارم سے متاثر ہوکر اس قسم کی حرکات کی مرتکب ہوچکی تھیں مگر وہ اپنے تدبر اور رسانیت کے باعث معاملہ سلجھا چکے تھے۔ آج انہوں نے اس سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

''جی سر میں نفسیات میں ماسٹرز کررہی ہوں۔''

ان کی سوچوں کے برعکس وہ ان کی توجہ پاکے گلاب کی مانند کھل اٹھی تھی۔ روشن آنکھیں مزید جگر جگر چمکنے لگیں۔

''سائیکولوجی ڈیپارٹمنٹ تو دوسری جانب ہے آپ ہر روز یہاں کیوں نظر آتی ہیں؟'' اب کی بار ان کا لہجہ کڑا تھا۔ استادوں والی مخصوص سختی لیے ہوئے۔

''یہاں میری فرینڈ ہے سر! میں اسی سے ملنے آتی ہوں۔''

''کلاس چھوڑ کر......؟''

''نو سر! اس وقت میری کوئی کلاس نہیں ہوتی۔''

دانیال بخاری کے چہرے پر جھنجلاہٹ سی بکھر گئی، وہ لڑکی ان کی سوچ سے زیادہ چالاک تھی یا پھر وہ اسے صحیح سمجھے نہیں تھے۔

اس کی روٹین وہی رہی البتہ دانیال بخاری نے اسے نظر انداز کرنا شروع کردیا۔ جس سے اس کا حوصلہ بڑھا اور اس نے ثناء سے ضد کرکے ہر روز کالج سے واپسی پر ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا جس پر ثناء نے اسے شرم دلانا چاہی تھی۔

''ڈوب مرو بے حیا لڑکی! آج تک لڑکے تو دیکھے اور سنے تھے لڑکیوں کے پیچھے بھاگتے انہیں گھروں تک پہنچاتے کسی لڑکی کی ایسی بات نہ دیکھی نہ سنی۔''

جواباً اس کا اعتماد اور ڈھٹائی عروج پر جا پہنچی تھی۔

''یہ اکیسویں صدی ہے ثناء ڈارلنگ اور اس میں وہ سب کچھ بھی ہوگا جس کا کسی نے گمان تک نہیں کیا۔ کیا حرج ہے یار ویسے بھی یہ بندہ مجھے اتنا اچھا لگتا ہے جی چاہتا ہے بس اسے دیکھتی رہوں۔ اسی خواہش کو پورا کرنے کی ادنیٰ سی کوشش ہے کہ اسے گھر تک چھوڑنے کی یقین کرو بہت کچھ ملتا ہے مجھے۔'' وہ دانت نکال رہی تھی جب کہ ثناء نے اسے گھورا تھا۔

''یہ گاڑی میری ہے اور تمہارے ساتھ میرا بھی امیج خراب ہورہا ہے۔ سر میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے؟'' ثناء کی پریشانی فطری تھی، مگر وہ ہنوز عبیر سنجیدہ ہی رہی۔

''تم ان سے کہہ دینا جو کچھ سوچنا ہے عبیر کے لیے سوچیں خبردار جو کسی اور کا خیال بھی ذہن میں لائے تو......'' ڈھٹائی کے اس مظاہرے پر ثناء نے جھنجلا کر اسے ایک گھونسا دے مارا تھا۔

''میں نے ساری معلومات کروائی ہے۔ انہوں نے اب تک شادی نہیں کی۔'' بھاپ اڑاتا چائے کا مگ اس کے سامنے گھاس پر رکھ کر عبیر نے اہم اطلاع دی۔ ثناء نے چونک کر کتاب سے سر اٹھایا اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟ تمہیں کیسے پتا چلا اس بات کا؟''

''یونہی پیچھا کرتی رہی ہوں میں ان کا۔'' اس نے جواباً دانت نکوس کر اپنی کارکردگی سے متاثر کرنا چاہا اور ثناء ششدر رہ گئی تھی۔

''سدھر جاؤ عبیر کیوں کررہی ہو فضول کی حرکتیں، اپنی اور ان کی عمر تو دیکھو۔''

''کیا ہوا ہے عمر کو؟'' اس بات کے آغاز سے ہی اس کی تیوری چڑھنے لگی تھی۔

''وہ تمہارے باپ کی عمر کے ہیں۔'' ثناء نے کسی قدر تلخی سے جواب دیا اور عبیر نے سر جھٹک کر بات اڑادی۔

''باپ کی عمر کے ہیں باپ تو نہیں۔ پھر محبت تو عمر اور چہرے نہیں دیکھا کرتی۔''

''تمہیں ان سے محبت ہے؟'' ثناء کو جیسے دھچکا لگا تھا۔

''تو اور کیا میں جھک مار رہی ہوں۔'' وہ برہم ہو کر غصہ بھری نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ ثناء نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

''تم کیا سمجھتی ہو پالو گی انہیں؟''

''میں کوشش کرنا چاہتی ہوں آخری حد تک۔'' اس کا لہجہ مضبوط اور ٹھوس تھا۔ ثناء آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا کرو گی؟''

اور عبیر نے اس سوال پر کاندھے اچکا دیے تھے۔ ''فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتی مگر میں کچھ نہ کچھ کرنا ضرور چاہتی ہوں۔''

''چاہے اس طرح ان کی نظروں سے گر جاؤ؟'' ثناء نے استعجابیہ سوال کیا پھر گہرا سانس کھینچ کر متناصحانہ لہجے میں بولی تھی۔ ''یو نو عبیر! عورت کی انا اس کا وقار ہی اس کی عزت ہوا کرتی ہے اور......!''

''پلیز مجھے مت سمجھاؤ ثناء! میں کوشش کرنا چاہتی ہوں، لڑے بغیر شکست تسلیم کرنا میری سرشت میں نہیں ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو عمر بھر ناشاد رہوں گی اور میں ناشاد رہنا نہیں چاہتی۔''

اس نے گویا بات ہی ختم کردی تو ثناء کے پاس بھی مزید کچھ کہنے کو نہیں رہا تھا۔

☆☆......☆☆

کل کے ابر آلود اور بے تحاشا سرد موسم کے بعد آج مطلع بالکل صاف تھا اور سردی بھی ایسی تھی جسے سوئیٹر کے اوپر گرم شال لپیٹ کر اور پیروں میں موزے پہن کر انجوائے کیا جاسکتا تھا۔ چونکہ آج چھٹی تھی اس کی طبیعت پر کسلمندی سی طاری تھی چھٹی کا دن اس کی طبیعت پر پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بہت گراں گزرنے لگا تھا کہ اس دن سر دانیال کو نہ دیکھنے کا خیال اسے جھنجلاہٹ کے ساتھ ایک کمی اور کسک میں مبتلا کیے رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے موڈ پر چھائی بےزاری سے چھٹکارا حاصل کرنے کو واک کا پروگرام بنالیا تھا۔ ثناء تو چھٹی کے دن بارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھتی تھی اور اس کے گھر میں ثناء کے سوا اور کسی سے بنتی بھی نہیں تھی۔ اس نے جاگرز پہنے اور شال اوڑھ کر چہل قدمی کرتی ہوئی باہر آگئی۔ موبائل اس نے ساتھ لے لیا تھا ہینڈ فری لگا کر سوئیٹر کی جیب میں رکھا اور میوزک انجوائے کرنے لگی۔ یخ بستہ سرد ہوائیں اس کے جسم کو چھو کر گزرنے لگیں مگر وہ مگن سی آگے بڑھتی گئی۔ قطار در قطار تن کر کھڑے درختوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے وہ اپنے من پسند گوشے میں آگئی جہاں فطری حسن جا بجا بکھرا ہوا تھا۔ سرو قامت سرسبز و شاداب درخت ہری بھری گھاس، ڈھیر سارے جنگلی پھول، تاحد نگاہ پھیلی ہریالی، پرندوں کی چہچہاہٹ پھولوں کی بھینی بھینی دلفریب مہک۔ وہ وہیں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ موبائل بجنے پر اس نے نمبر دیکھا۔ جہاں دادا کا نام روشن ہورہا تھا۔

''ہیلو دادا! گڈ مارننگ۔''

''السلام علیکم بیٹا کیا حال ہے؟'' دادا نے جواباً خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔ وہ گہرا سانس بھر کے نروٹھے پن سے بولی تھی۔

www.pkdigest.com

کیا آپ جانتے ہیں بدلہ کا دن کون سا ہے
جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا دن فرمایا؟
قیامت کی نشانیاں کیا ہیں؟ دجال کون ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام
کا نزول کب ہوگا؟ ان سب کا جواب
معروف مفسر قرآن پاک کے طالب علم
مشتاق احمد قریشی کی تازہ پر مغز تحقیق

مالکِ یوم الدین
شائع ہوگئی ہے

یہ کتاب ان تمام لوگوں کیلئے ہے جو کسی وجہ سے قرآن حکیم کی مکمل تفسیر نہیں پڑھ سکے۔ قیامت کے حوالے سے انسانی ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کا مفصل جواب آپ کو اس کتاب میں ملے گا

اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ لاہور۔ فون: 042-37116247
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400 فون 021-35620771/2

''آپ کو کیا؟ میں جیسی بھی ہوں' آپ نے کون سا آ کر مجھے پوچھنا ہے؟''

''ارے ارے اتنی ناراض' یہاں اپنی سہیلی کے پاس جا کے پڑھنے کا فیصلہ تو تمہارا اپنا تھا بیٹا۔'' وہ پچکار کر کہہ رہے تھے، وہ منہ بسورنے لگی۔

''مگر دادا آپ مجھ سے ملنے بھی تو نہیں آتے نا' میں اکیلی اُداس بھی تو ہو سکتی ہوں۔''

''دادا اتنے بوڑھے ہو کر اتنا سفر کیسے کریں۔ تم آ جایا کرو نا' ہفتے پندرہ دنوں کے بعد۔'' انہوں نے لمحہ بھر کا توقف کیا پھر جیسے کچھ یاد آنے پر بولے تھے۔

''اور ہاں، وہ تمہاری ماما بھی تم سے ملنے آنا چاہ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دو دن میں آئے۔''

''کیوں؟'' اس نے ابرو چڑھا کر کہا تھا پھر کسی قدر بدتمیزی سے بولی تھی۔

''انہیں کہیں' نہ ہی آئیں تو اچھا ہے۔ مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتیں دادا، ہر وقت نصیحت روک ٹوک۔''

''ایسے نہیں کہتے بیٹا' ماں ہے وہ تمہاری، اچھا برا تمہیں سمجھانا اس کا فرض ہے۔''

''اگر میری تربیت ایسی ہی ضروری تھی تو وہ کیوں مجھے آپ کے پاس چھوڑ گئی تھیں؟ پاپا کی وفات کے بعد اگر وہ اپنی دو وقت کی روٹی کما کر کھا سکتی تھیں تو مجھے بھی کھلا دیتیں، میرا ننھا سا وجود بہت بھاری تھا ان پر۔'' تیز تیز بولتے اس کی آواز بھرا گئی تو اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے، تب دادا نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''تم اپنے دادا کے ساتھ خوش نہیں......؟ کیا میری محبت میں میری توجہ میں کوئی کمی رہ گئی ہے عبیر؟'' عبیر کے آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر گالوں پر اتر آئے۔ اس نے خود پر بہت ضبط کیا اور بھیگی رندھی آواز میں جواباً کہا۔

''کوئی کمی نہیں ہے دادا! نہ محبت میں نہ توجہ میں' مگر ماما کی بے حسی مجھے ڈپریس کرتی ہے' اگر انہوں نے دوبارہ شادی بھی نہیں کی تو پھر کس کے خوف سے چوروں کی طرح مجھ سے ملنے آتی ہیں؟'' اس کا لہجہ احتجاجی تھا، شکووں سے بھرپور مگر محرومی سے ٹوٹا ہوا۔

''ہر کسی کی اپنی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں بیٹا! تم ان باتوں کو نہ سوچا کرو۔'' دادا نے دھیرے سے سمجھایا مگر آج بھی وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

''کیسی مجبوریاں دادا!'' یہ صرف ڈھکوسلے ہیں۔''

''او کے او کے دادا کی جان تم فکر نہ کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا، ان شاءاللہ۔''

دادا نے اسی قسم کی تسلیاں دے کر فون بند کر دیا مگر وہ پورا دن اس رنجیدگی کے حصار میں رہی تھی۔

☆......+ +......☆

کالی گھٹائیں امڈ کر آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسم خوش گوار ہو گیا۔ سرد موسم کے ہمراہ فضا میں تیرتا دھندلا غبار اور باآواز برستی بوندیں۔ کالج آدھ گھنٹے کے اندر خالی ہو گیا مگر وہ بڑے بے پروا سے انداز میں وہیں سنگی بنچ پر بیٹھی آئسکریم سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ نگاہوں کے سامنے پارکنگ میں ریڈ آلٹو کھڑی تھی جس کا مطلب تھا۔ سردانیال ابھی اپنے آفس میں ہی ہیں اور اس کے اطمینان کی اصل وجہ بھی یہی تھی۔ خالی کپ اس نے دور اچھالا اور فائل کے ساتھ بیگ اٹھا کر گیٹ سے باہر آ کر مین روڈ پر کھڑی ہو گئی۔ پوائنٹ گزر چکا تھا۔ ثناء آج آئی نہیں تھی۔ جبھی اس نے سردانیال سے لفٹ حاصل

www.urdupkdigest.com

کرنے کا پکا پروگرام سیٹ کرلیا تھا۔ کچھ صورت حال بھی ایسی تھی کہ وہ انکار کر ہی نہیں سکتے تھے حالانکہ ثناء نے گاڑی بھیجنے کی آفر بھی کی تھی مگر اس نے منع کردیا تھا۔

"پھر کیسے آؤ گی تم؟ اوپر سے موسم بھی خراب ہے۔"

"ایسے موسموں میں ہی تو ہیروئنز کے لیے ہیرو غیبی مدد بن کر پہنچتے ہیں۔" وہ ہنس کر کہہ رہی تھی مگر ثناء نے نخوت سے ہنکارا بھرا تھا۔

"کون سا ہیرو؟ اگر تمہاری مراد سر دانیال سے ہے تو وہ قیامت تک تمہارے اس سپنے کو حقیقت کا رنگ نہیں دیں گے۔"

"وہ تو تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔" اس کے لہجے میں زعم ہی زعم تھا۔

"بکو مت، کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں آرہی ہوں تمہیں لینے۔"

"آرام سے گھر میں رہو۔ تمہیں مجھے تمہاری اس ہمدردی کی ضرورت نہیں۔"

وہ بچپن سے ساتھ تھیں مری کانونٹ سے دونوں کی دوستی کا آغاز ہوا تھا اور یہ دوستی اتنی خاصی ہوگئی تھی کہ عبیر نے ثناء کی خاطر اسلام آباد کے کالج میں ایڈمیشن لیا تھا۔ دونوں کے مزاجوں میں بہت فرق تھا اس کے باوجود دوستی مثالی تھی۔

اس نے تکا سا جواب دے کر موبائل کو سائلنٹ کردیا تھا۔ جانتی تھی کہ ثناء اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کرے گی۔ اس نے ریڈ آلٹو کو سبک رفتاری سے روڈ پر آتے دیکھا اور چہرے پر گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ پریشانی کے بھی آثار پیدا کردیے۔ دانیال بخاری اپنے دھیان میں تھے ان کی نگاہ اس پر نہیں گئی۔ عبیر کو جزبز ہو کر خود انہیں ہاتھ کے اشارے سے متوجہ کرنا پڑا۔ دانیال بخاری نے چونک کر اسے دیکھا اور گاڑی جو آگے بڑھ گئی تھی۔ بیک کرکے واپس اس تک لے آئے۔

"سوری سر آپ کو زحمت تو ہوگی مگر پلیز مجھے گھر ڈراپ کردیں، دیکھیے نا موسم بھی کتنا خراب ہے اور آج ثناء بھی نہیں آئی۔"

"کالج کا تو آدھ گھنٹے پہلے کا آف ہوچکا ہے آپ اتنی لیٹ کیسے ہوگئیں؟" گاڑی رکتے ہی وہ لپک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ چکی تھی۔ اس کی ایسی بے تکلفی پر دانیال بخاری جزبز ہوگئے تھے جبھی بولے تو لہجے میں خفیف سی خفگی تھی۔

"میں لائبریری میں تھی سر! نوٹس بناتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔" اس نے بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولا اور ہاتھ اٹھا کر اپنے کٹے ہوئے نم بالوں کو سہلانے کے بہانے بڑی ادا سے جھٹکا۔

"آپ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتا سکیں گی؟" کافی دیر کی خاموشی کے بعد دانیال نے ہی اسے مخاطب کیا تھا تب وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نو سر! میرا نہیں ثناء کا گھر، میں ثناء کے گھر پر ٹھہری ہوئی ہوں، میں تو پشاور میں رہتی ہوں دادا کے ساتھ۔" پھر وہ مسکرا کر ایڈریس بتانے لگی۔ دانیال نے دانستہ گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ ونڈ اسکرین پر گرنے والی اکا دکا بوندیں اب تسلسل سے پڑنے لگیں۔

"سر ایک بات اکثر مجھے الجھاتی ہے، آپ اتنے ڈیسنٹ ہیں اس قدر خوبرو پھر بھی آپ کی شادی نہیں ہوئی کیوں؟" انہیں ڈرائیو میں محو پاکے وہ ان میں گم ہورہی تھی کہ ان کی ایک سرد سی نگاہ پر حواسوں میں لوٹتے ہوئے بھی کسی قدر ڈھٹائی سے

www.pkdigest.com

بولی تھی۔ دانیال بخاری کی کشادہ پیشانی پر ایک ناگواری کی شکن نمایاں ہوئی تھی۔

"میں نے اپنی مرضی سے شادی نہیں کی۔" انہوں نے کسی قدر رسانیت سے جواباً کہا ایسی رسانیت جس میں نخوت کی واضح آمیزش تھی۔ وہ ازلی اعتماد سے مسکرائی۔

"سر میرا مشاہدہ ہے کہ شادی نہ کرنے یا نہ ہونے کی دو اہم وجوہ ہوتی ہیں یا تو وہ انسان محبت میں ناکام ہوتا ہے یا پھر کسی نقص کی وجہ سے شادی میں رکاوٹ آتی ہے۔ مثلاً معذوری کم حیثیت وغیرہ۔ آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے سر!"

وہ بہت مدبر بنی پوچھ رہی تھی۔ دانیال بخاری کے چہرے کا تاثر ایک دم پتھریلا پن سمیٹ لایا۔ جواب میں کچھ کہے بغیر انہوں نے گاڑی کی اسپیڈ کچھ اور بڑھائی تھی۔ عبیر کو خفت نے آن لیا۔

"دھیان سے سر! ایکسیڈنٹ بھی ہوسکتا ہے۔"

جواب میں خاموشی اور سرد مہری رہی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے اپنی منزل کو دیکھا تھا۔

"تھینکس اے لاٹ سر! ریئلی یہ سفر میری زندگی کا سب سے یادگار حسین اور خوش گوار سفر ہے۔ ویسے آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا سر!" کسی قدر جذب اور سنجیدگی سے کہتی وہ آخر میں پھر پٹری سے اتر گئی تھی۔

"کسی بھی انجان اور غیر شناسا مسافر کو لفٹ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان راہ چلتوں کے ساتھ اپنے پرابلم بھی شیئر کرنا شروع کردوں اور ہاں آپ کے لیے یہ سفر یادگار یا خوش گوار ہو مگر میرے لیے میرے ضبط اور برداشت کی حد تھا، آئندہ میں کسی کو لفٹ دینے سے شاید گریز کروں۔"

گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔ عبیر اس سرد اور بھیگے موسم کے باوجود جیسے جل اٹھی تھی۔

"اتنا تکبر اور غرور آپ کو یہ مہنگا بھی پڑ سکتا ہے سر۔" وہ سلگتی ہوئی اندر چلی آئی تھی۔

"کہاں مرگئی تھیں؟ آنٹی تمہارا انتظار کرکے چلی گئیں بے چاری۔"

"کون آنٹی۔" اس نے استفہامی نگاہ سے اسے دیکھا جواباً ثناء نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

"تمہاری ماما اور کون؟"

"بہت اچھا ہوا چلی گئیں، مجھے ان سے ملنے کا کوئی شوق بھی نہیں۔"

وہ انتہائی بدمزگی سے کہتی واش روم میں گھس گئی۔ پندرہ منٹ کا شاور لے کر آئی تو سردی سے دانت بج رہے تھے۔ ثناء نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا تھا۔

"پاگل ہو تم؟ اتنی سردی میں باتھ لینے کی کیا ضرورت تھی، وہ بھی ٹھنڈے پانی سے۔"

"آگ لگی ہو تو ٹھنڈے پانی سے ہی بجھانی چاہیے۔"

وہ بال سلجھاتے ہوئے مسلسل کپکپا رہی تھی۔

"موڈ کیوں آف ہے؟ سر نے تو عزت میں برکت نہیں ڈال دی؟"

ثناء نے بغور اس کا سرخ چہرہ دیکھا جو اس سوال پر کوئلے کی طرح سے دہکا تھا۔

"وہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟" ثناء نے آتش دان میں مزید لکڑیاں جلاتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ یعنی اس کا قیاس درست تھا۔ اسے تاسف نے گھیر لیا۔ ایک ساتھ ہی بہت سارا ایندھن آتش دان میں ڈال کر وہ اس کی سمت

گئی۔

"میں تمہیں سمجھاتی تھی نا کہ.....!"

"تم مجھے اب بھی مت سمجھاؤ، میں پیچھے نہیں ہٹوں گی مگر میں انہیں بتاؤں گی کہ عورت کا انتقام کتنا بھیانک ہوسکتا ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر پھنکاری ثناء نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"ایسا کیا کہہ دیا ہے انہوں نے کہ تم یوں آپے سے باہر ہو رہی ہو؟ اور غیر ایک بات تم بھول رہی ہو تم ایک لڑکی ہو اور یہ حرکتیں لڑکیوں کو زیب نہیں دیتیں۔"

"تم چپ رہو اچھا! مجھے تمہارے مشوروں یا نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخی تو ثناء نے خاموشی میں ہی عافیت جانی اسے سمجھانے کا کام پھر کسی وقت پر چھوڑ دیا۔

☆.....☆☆.....☆

"یہ آپ کی ڈاک ہے سر!"

ابھی وہ کالج سے آکر فریش ہو کر چائے پی رہے تھے جب ملازم نے کچھ لفافے ان کے سامنے لاکر رکھے۔ انہوں نے سب چھوڑ کر سفید سر بند لفافہ اٹھایا جس کی پشت پر پشاور کی مہر ثبت تھی کہ بھیجنے والا کون ہے۔ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے پہلے سگریٹ سلگایا تھا پھر لفافہ چاک کر کے اندر سے تہہ شدہ کاغذ نکالا۔

السلام علیکم!

جیتے رہو، کیسے ہو برخوردار!

کبھی کبھار تو مجھے لگتا ہے تم اپنے آغا جان کو بھلا بیٹھے ہو۔ جاتے ہو تو مدتوں پلٹ کر خبر نہیں لیتے۔ تمہیں تو یہ بھی بھول جاتا ہے کہ تمہارے انتظار میں لگی آنکھیں عمر کے آخری مراحل طے کر رہی ہیں۔ بجھتے ہوئے دیے کی لو تو آندھی کے ایک کمزور جھونکے سے بھی دم توڑ سکتی ہے بیٹا!

کب تک کسی نامراد کی وجہ سے خود کو سولی پر لٹکائے رکھو گے اب بس کردو اور مان جاؤ۔ میری زندگی میں یہی خوشی مجھے دے دو تو یہ بوڑھا سکون سے مر سکے گا۔

ویسے اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میرے پاس تمہارے لیے ایک معقول رشتہ ہے۔ وہ بھی ذمہ داری ہے میری، تمہاری طرح اگر تمہیں اس کا ساتھ قبول ہو تو.....

بیٹا یہ کسی احسان کا بدلہ نہیں مانگ رہا بس خواہش ظاہر کر رہا ہوں ضروری نہیں کہ تم اسی جگہ شادی کرو اپنی پسند بتا دو۔ میں جی جان سے اسے تمہارے لیے مانگنے جاؤں گا۔

تنہائی زہر قاتل ہے دانیال اور میں تمہیں یہ زہر پیتے نہیں دیکھ سکتا۔ بس اب فیصلہ کر لو اپنا بہت خیال رکھنا۔

جواب کا منتظر

تمہارا آغا جان

دانیال بخاری نے خط واپس رکھ دیا۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہونے لگی تھی۔ عجیب کشمکش میں پڑ گئے تھے۔ ایک طرف وہ انسان تھے جن کو خدا نے تب ان کا سہارا بنایا تھا۔ جب وہ سہارے کے بغیر اپنی زندگی گزار ہی نہیں سکتے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد آغا جان ہی نے اپنے دوست کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور کسی طرح بھی انہوں نے اسے اپنی اولاد سے کم جانا ہوا سے۔ تربیت، تعلیم، توجہ و محبت کوئی کمی نہ چھوڑی تھی وہ بھی کتنے بہل گئے تھے زندگی کتنی سہل تھی۔ ان دنوں جب وہ مغرور آنکھوں والی ان کی زندگی میں آئی اور ساری بہاریں جیسے ان سے روٹھ گئیں۔ وہ چند سال بڑی

تھی ان سے، آغا جان نے جس لڑکی کو اس کی ٹیوٹر رکھا تھا۔ وہ اس کے رکھ رکھاؤ اور سادہ سے چہرے کے مداح ہو گئے تھے۔ چھے ماہ ان سے ٹیوشن لینے کے بعد جب دانیال کو لگا کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تو ایک دن انہوں نے دل کڑا کر کے اپنی محبت آشکار کر ڈالی تھی۔

"میں آپ کو چاہنے لگا ہوں تمکنت اور آپ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

تھرڈ ایئر کے اسٹوڈنٹ کے منہ سے ایسی بات سن کر تمکنت جو واقعی تمکنت تھی کے چہرے پر غیظ و غضب امڈ آیا تھا۔ پہلے تو حیرت کی زیادتی سے گنگ رہی پھر وہ جیسے اشتعال سے بپھر اٹھی تھی۔

"آپ کو جرأت کیسے ہوئی دانیال مجھ سے اتنی فضول بات کہنے کی؟ آپ کے نزدیک میری حیثیت اتنی گئی گزری ہے کہ آپ اپنی ٹیچر کے احترام کو بھلا کر یہ گھٹیا بات کہہ گئے؟"

دانیال اس کے بھڑک اٹھنے پر بوکھلا گیا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر کا وہ ایک جذباتی لڑکا ضرور تھا مگر یہ واحد لڑکی تھی جس کے لیے اس نے بہت انوکھے جذبے محسوس کرنے کے باوجود بہت احترام سے سوچا تھا۔

"سوری اگر آپ کو برا لگا تو مس ایکسکیوز کر لیتا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں اور آپ سے شادی.....!"

"اپنی زبان کو یہیں لگام دے دو دانیال اور آئندہ کبھی منہ سے یہ بات نہ نکالنا۔ تمہارے لیے یہ محض دل لگی ہوگی مگر مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔"

تمکنت کے تیور بے حد کڑے ہو گئے تھے وہ بات مکمل کر کے اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ! پلیز میری بات سنیں میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ میں آپ کے بغیر مر جاؤں گا، آپ میری بات.....!"

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ تمکنت کا تھپڑ اس کے چہرے پر پوری قوت سے پڑا تھا وہ گنگ سا رہ گیا۔

"یہ تمانچہ تمہیں آئندہ خود سے بڑی چھوٹی ہر قسم کی خواتین سے تمیز سے بات کرنے کا سبق سکھاتا رہے گا۔ آج کے بعد میرا راستہ روکنے اور اس قسم کی تھرڈ کلاس باتیں کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ تمکنت اگر اتنی ہی کمزور ہوتی تو اپنے زورِ بازو پر بھروسا کرتے ہوئے خاندان بھر کی مخالفت مول لے کر باہر نہ نکلتی۔"

اپنی چادر مزید پیشانی تک کھینچتی وہ گویا اپنے ارادوں کی مضبوطی اس پر ظاہر کرتی چلی گئی اور دانیال کی تڑپ اس کی محبت میں گویا اضافہ کر گئی۔ اسے سب کچھ بھول گیا سوائے تمکنت کے۔ وہ جیسے اس کے حصول کی خاطر پاگل ہونے لگا تھا۔

جب وہ اسکول کے سامنے پورا ایک ہفتہ جون کی تپتی دوپہروں میں محض اس کی ایک جھلک دیکھنے کو گھنٹوں جھلستا رہا تھا تب ایک دن تمکنت نے اس کے نزدیک آ کر دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں کر رہے ہو ایسا؟"

"آپ جانتی ہیں۔" وہ اس کے مخاطب کرنے پر کھل اٹھا تھا۔

"شاید میں تمہارے لیے چیلنج بن گئی ہوں مگر یقین کرو دانیال تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ تمہاری حیثیت میری نظر میں کسی ضدی بچے سے بڑھ کر ہر گز نہیں جو کسی من پسند چیز کے لیے مچل رہا ہے تو کب تک مچلے گا۔"

www.pkdigest.com

"تب تک، جب تک آپ کو مجھ پر رحم نہیں آجاتا۔" اس کے ارادے ٹھوس اور مضبوط تھے۔

تمکنت یوں مسکرائی جیسے کسی بچے کی احمقانہ بات پر مسکرایا جائے۔

"مجھے تو اب بھی تم پر رحم آتا ہے پگلے، مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، میری عنقریب شادی ہو رہی ہے۔"

"آپ.....!" وہ ایک دم شاکڈ رہ گیا۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔"

وہ اس صدماتی کیفیت سے نکل کر چلایا تب تمکنت نے مخصوص اطمینان اور تحمل سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"میری بات سنو دانیال! میں آج آخری بار تمہیں سمجھانے آئی ہوں۔ عین ممکن ہے کہ تمہاری وجہ سے میرا گھر بنتے بنتے رہ جائے کہ کوئی بھی مرد اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا کہ اپنی ہونے والی بیوی میں کسی اور کو انوالو دیکھے اور برداشت کر لے۔ یاد رکھنا دانیال، اگر تمہاری وجہ سے میرا یہ نقصان ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس لیے بھی کہ یہ موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔ میرے جیسی عورتوں پر قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی اور میں تو پھر بھی جیسے ایک جوا کھیل رہی ہوں جس میں کامیابی کے امکانات ایک فیصد ہی کیے جا سکتے ہیں مگر میں امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتی۔"

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟ وہ بندہ آپ کو پسند نہیں کرتا؟" وہ دکھ سے چور تھا مگر تمکنت کی بات اور اس کے لہجے کے غیر معمولی پن نے بھی ٹھٹکا دیا۔

"اگر ایسا ہوتا تو شادی تک کا مرحلہ کیسے آتا؟" وہ دکھ سے ہنسی پھر جیسے سنبھل کر ایک نئے دکھ کا شکار ہو کر آہستگی سے اسے مخاطب کیا۔

"میرا تعلق وہاں سے ہے دانیال جہاں کا حوالہ کسی بھی غیرت مند اور باعزت انسان کو سننا بھی گوارا نہیں۔ آفاق تو بہت جی دار انسان ہیں کہ مجھے اپنا رہے ہیں، میں ساری عمر ان کا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔"

دانیال نے اب کے حیرت سے اسے دیکھا، وہ اتنا نا سمجھ بھی نہ تھا کہ اس کی بات نہ سمجھتا۔

"آپ یہ رسک مت لیں تمکنت! پتا نہیں وہ انسان کتنا ظرف رکھتا ہو میں آپ کو اپناؤں گا اور آپ کے ساتھ پر ساری عمر فخر کروں گا۔ یقین کریں میرا۔"

وہ جس قدر جذب سے کہہ رہا تھا تمکنت اسی قدر عجیب ہنسی ہنسی تھی۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟ کل کے بچے کی بات پر ایمان لے آؤں گی۔ دانیال! اگر آفاق کسی وجہ سے مجھے چھوڑ بھی دے گا نا میں تب بھی تمہیں نہیں اپناؤں گی۔ تم میری آخری ترجیح بھی نہیں ہو۔" اس نے کہا تھا اور مضبوط قدموں سمیت اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

وہ بہت بری طرح سے رد کیا گیا تھا۔ جبھی محبت کے جذبات پر نفرت و انتقام کے جذبے غالب آ گئے اور وہ بپھرا تھا۔ آغا جان کے کمرے سے ان کا لوڈڈ ریوالور لے کر جب وہ بہت خطرناک ارادوں سے حویلی سے بھاگ رہا تھا بی بی جان کو جانے کیسے اس کے ارادوں کی خبر ہو گئی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو دانی؟" انہوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا اور اس کی سرخ لہو چھلکاتی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا تھا۔

"بی بی جان وہ کہتی ہے اسے میری ضرورت نہیں وہ مجھ پر کسی اور کو ترجیح دے چکی ہے۔ میں اس

کے اس غرور کو توڑ ڈالوں گا میں اس آدمی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جس کی خاطر اس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔"

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"تمکنت بیگم کی۔ ایک طوائف زادی ہے مگر ظنطنہ دیکھیے آپ اس کا، آپ کے دانی کو بڑے زعم سے ٹھکرایا اس نے۔" وہ زخمی ناگ کی طرح سے پھنکار رہا تھا۔ انا مجروح ہوئی تھی تو وہ بھی روایتی مرد بن گیا تھا۔ محبت دور کھڑی حیران تھی۔ شیطان اپنے داؤ کی کامیابی پر اب ہنس رہا تھا۔

"وہی تمہاری ٹیوٹر۔" بی بی جان کے لہجے میں حقارت تھی وہ دانت بھینچے شدومد سے سر ہلانے لگا۔

"اچھا تو اس کے حسن کا فسوں تمہیں بھی دیوانہ کر گیا۔ غلطی میری تھی، مجھے ایک گندے خاندان کی عورت کو گھر میں گھسانا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

بی بی جان نے کتنے تضحیک آمیز لہجے میں کہا تھا، دانیال ان کے ایک لفظ سے چونک اٹھا تھا۔

"کیا مطلب بی بی جان! مجھے بھی کیا کوئی اور بھی اس گھر سے....." وہ مارے تحیر و غیر یقینی کے بات ادھوری ہی چھوڑ گیا۔

"ہاں تمہارے ذہین و فطین قابلِ فخر آفاق لالہ کا بھی دماغ خراب ہوا تھا اور اس بازاری عورت کے لیے۔ پاگل پن دیکھو ذرا اس کا اس کی خاطر مجھے، میری محبت و شفقت ہی نہیں، اپنے حصے کی جاگیر بھی چھوڑ گیا۔"

تو وہ کوئی اور نہیں آفاق لالہ؟

اسے جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"خود کو سنبھالو دانی بیٹا! اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

بی بی جان کے لہجے میں عجیب سی بے چارگی تھی اور دانیال نے خود کو مکمل طور پر ہارا ہوا محسوس کیا تھا۔

پر وہ اس دکھ کو بھلانے کی غرض سے ملک سے باہر چلا گیا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آغا جان کی منت سماجت پر واپس لوٹا تو انہوں نے اسے شادی پر مجبور کرنا شروع کر دیا مگر وہ اپنے دل کو کبھی آمادہ نہ کر سکا۔ دل نے جو جگہ تمکنت کو دی تھی وہ کسی کو دینے پر آمادہ نہیں تھا اور وہ دل سے مزید کوئی ناانصافی نہیں چاہتا تھا جبھی آغا جان کو انکار کر دیا۔ لاہور میں اس نے جاب کے لیے اپلائی کر رکھا تھا گورنمنٹ ڈگری کالج میں ملازمت ملی تو وہ چپ چاپ وہاں چلا آیا۔ سال دو سال بیت گئے اور وہ تنہا ہی زندگی کے شب و روز بتاتا رہا۔ تمکنت نے جس جذبے کو دل لگی کا نام دیا تھا۔ وہ تو دل کی لگی تھی جو ایسی لگی تھی کہ کچھ اور بجھائی ہی نہ دیتا تھا۔ کبھی کبھار ان کا جی چاہتا زندگی کے کسی موڑ پر وہ اچانک انہیں مل جائے پھر وہ اسے بتائیں اسے جتائیں کہ میری محبت میری وفا کتنی پختہ تھی۔ جسے تم نے درخورِ اعتنا نہ جانا تھا کہ آخری ملاقات کے وہ آخری الفاظ انہیں پوری جزئیات یاد تھے۔

"اگر زندگی کے کسی موڑ پر تمہارا اپنا منتخب کردہ ہم سفر تمہیں دغا دے جائے تو مجھے آواز دے لینا تمکنت اس لیے کہ میں تمہارا انتخاب نہ سہی مگر تم سے محبت میں سچا ضرور ہوں اور اس سچائی کا میری وفا کا اعتبار تمہیں میری وہ تنہائی دلائے گی جو میں کسی کا ہاتھ نہ تھام کر اپنے لیے خود تجویز کر رہا ہوں۔ اس طرح میں گویا تمہارا انتظار کروں گا کہ تم کبھی آؤ تو میرے دروازے تمہیں کھلے ہوئے ملیں۔"

اور اس بات کے جواب میں تمکنت نے سر جھٹک دیا تھا۔ اس پر اس کی بات کی اہمیت بھی بس اتنی ہی تھی اور وہ شکستہ سا لوٹ آیا تھا۔

انہوں نے آغا جان کا خط دراز میں ڈال دیا۔

www.pkdigest.com

ان کا ابھی بھی آغا جان کی بات ماننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

❖❖❖......❖❖❖

وہ دھیرے دھیرے چلتی آ کے ستون کے ساتھ لگ کے کھڑی ہوگئی۔ دادا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ انہوں نے فون کرکے اسے بلوایا تھا۔ وہ حویلی پہنچی تو دادا کو معمولی سا بخار تھا۔ اس کا موڈ اس افراتفری کے سندیسے پر بری طرح سے بگڑا' ابھی تو اسے سر دانیال سے اپنا بدلہ لینا تھا کہ دادا کے بلاوے نے سارا پروگرام چوپٹ کردیا تھا۔

''آپ تو اچھے بھلے ہیں دادا' پھر بھی مجھے بلوالیا؟ آپ کو پتا ہے پڑھائی کا کتنا حرج ہوگا میری؟'' وہ اپنی جھنجلاہٹ ان پر اتار رہی تھی۔

''معمولی بیماری بھی اب ڈرانے لگی ہے بیٹا! مجھے اپنی زندگی کا بھروسا نہیں ہے۔ تمہارے چچا، تاؤ سب ملک سے باہر اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں میں تمہیں محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

''یعنی آپ میری شادی کرنے ہیں والے دادا؟'' وہ بھڑک اٹھی اور دادا مسکرانے لگے۔

''ہاں میں اپنی پیاری سی بٹیا کو دلہن بنا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''مگر دادا میں ابھی پڑھ رہی ہوں اتنی جلدی شادی نہیں کرسکتی۔''

وہ جتنی بھی بولڈ تھی مگر دادا سے منہ پھاڑ کے نہ اپنی پسند ظاہر کرسکی نہ ہی صاف انکار۔

''تم شادی کے بعد پڑھ لینا بیٹا۔ مجھے اپنے فرض سے سبکدوش ہولینے دو۔'' ان کے لہجے میں بے چارگی سی تھی مگر اس نے کان نہیں دھرے۔

''آپ میرا فرض میری ماں کے لیے چھوڑ دیں آج تک انہوں نے کوئی ذمہ داری نہیں نبھائی یہ ہی نبھالیں نا۔'' وہ کسی بھی طرح ان کی توجہ اس ٹاپک سے ہٹانا چاہتی تھی۔ دادا دکھ سے مسکرائے۔

''اگر وہ اس قابل ہوتی تو تمہیں اتنی چھوٹی عمر میں میرے حوالے کیوں کرجاتی؟''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، وہ اس قابل ہی نہیں۔'' وہ پھر سے زہر خند ہونے لگی۔

دادا کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ٹوک کر بولے۔

''وہ جیسی بھی ہے بہرحال تمہاری ماں ہے۔''

''مگر میں ایسے سفاک اور بے حس لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔'' نروٹھے پن سے کہتی وہ ان کے سامنے سے اٹھ گئی تھی اور اب طویل برآمدوں میں بھٹکتی ہوئی وہ یہ سوچ سوچ کر مضطرب ہورہی تھی کہ دادا کو آخر کس طرح سے اس کام سے باز رکھے۔ بالآخر وہ مضمحل سی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

www.pkdigest.com

⌘☆......☆......☆⌘

''آپ نے مجھے اتنی ایمرجنسی میں بلوایا ہے کہ پریشان ہوکر بھاگا آیا ہوں۔ کیا ہوا ہے آپ کی طبیعت کو؟'' دانیال بخاری آغا جان کے سامنے بیٹھے تھے۔

آغا جان آسودگی سے مسکرادیے۔

''اگر میں اس طرح نہ کہتا تو تم شاید کبھی نہ آتے۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے آغا جان' آپ کی بہت اہمیت ہے میری زندگی میں۔'' انہوں نے آغا جان کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر محبت بھرے انداز میں کہا تو آغا جان نے بہت دھیان سے انہیں دیکھا۔

''سچ کہہ رہے ہو دانی؟''

''اس میں جھوٹ کیا ہے آغا جان؟ آپ مجھ پر شک کیوں کرنے لگے ہیں؟''

''تو پھر میری بات مان کر مجھے یہ یقین سونپ دو دانیال! میں مان لوں گا۔'' انہوں نے آرام سے کہہ کر انہیں مضطرب کرڈالا۔ اب وہ آغا جان کے کہے بغیر بھی جان سکتے تھے کہ ان کی اگلی بات کیا ہوگی۔ انہوں نے بہت کرب سے گزرتے ہوئے سر جھکالیا۔ ایک قول اپنی محبت و وفاداری کے نبھانے کا تھا تو دوسرا محبت و احسان مندی کے امتحان میں سرخرو ہونے کا۔ ترجیح مشکل تھی مگر بہر حال ناممکن نہیں کہ انہیں ان کے احسان کو بہرحال فراموش نہیں کرنا تھا۔

''آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے قابل احترام ہے آغا جان! آپ مجھے اپنا فرمانبردار پائیں گے۔'' انہوں نے بوجھل آواز میں کہا اور تمکنت کے دلکش تصور کے ایوانوں میں [illegible] آغا جان نے پھر تو بہلتے دیکھا اور خوشی سے نہال ہوکر انہیں گلے سے لگالیا۔

''بہت اچھا فیصلہ ہے بیٹا! دیر آید درست آید۔ خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔ بہت دیکھی بھالی لڑکی ہے، پوتی ہے میری۔ تم نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ تم یہاں رہے ہی کب ہو، اس کے بچپن میں ہی ایک آدھ بار چند دنوں کے لیے آئے تھے۔ پتا نہیں کون تھی وہ، جس کی خاطر تم نے اپنے آغا جان کو بھی بھلائے رکھا۔ خیر دفع کرو میں نے اس لیے بھی تمہیں عیر سے منسوب کیا ہے کہ اس بہانے تم مجھے بھی شکل دکھا جایا کروگے۔''

آغا جان کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوگیا تھا۔ مگر وہ جیسے اس فیصلے کے بعد اتنا ڈھے گئے تھے کہ ان کی ہی ان تمام باتوں میں سے شاید ہی کوئی ایک ان کے پلے پڑی ہو۔ وہ یونہی گم صم بیٹھے رہے۔

''کیا بات ہے دانی بیٹا؟ اگر تمہیں کسی قسم کا اعتراض ہے تو......؟'' ان کی غائب دماغی اور گمبھیر چپ کو محسوس کرکے آغا جان نے اپنی خوشی سمیٹ کر انہیں چونکایا اور وہ جیسے سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر خالی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بے دلی سے مسکرائے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آغا جان! آپ فکر نہ کریں۔'' انہوں نے نرمی سے کہہ کر تسلی آمیز انداز میں ان کا ہاتھ تھپکا اور گہرا سانس کھینچا۔

جب ایک کام کرنا ہی طے ٹھہرا تو پھر وہ کوئی ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان کی اس سوچ نے انہیں ریلیکس کرنے کے بجائے ان کی تھکان میں اضافہ کرڈالا تھا۔

آغا جان نے ان کے ہاں کہتے ہی مزید تاخیر مناسب خیال نہیں کی اور اگلی شام ہی نکاح کی سنت ادا کردی۔ پھر مہمان کھانے کے بعد جب چلے گئے تو آغا جان ایک بار پھر دانیال کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تھینک یو سوچ میرے بچے! تم نے میری بات کا مان رکھ کر بہت بڑا احسان کیا مجھ پر۔'' آغا جان نے اپنے ناتواں بازوؤں میں ان کے لمبے چوڑے کڑیل وجود کو سمونے کی کوشش کرتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا تو دانیال اپنے کسی خیال سے چونک کر شرمندہ سے ہوگئے۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آغا جان! حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے احسانوں کا بوجھ میرے کاندھوں پر مزید بڑھا دیا ہے۔'' ان کی بات پر آغا جان نے نرمی سے سر کو جھٹکا تھا پھر نم آواز میں بولے

تھے۔

”اچھا بس چھوڑو فضول کی باتیں اور ایسا کرو اگر عبیر سے ملنا ہے تو مل لو۔“

”کون عبیر؟“ انہوں نے سرسری سے انداز میں کہتے مستفسرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھا تو آغا جان قدرے جھنجلائے۔

”عبیر میری پوتی، تمہاری بیوی۔ ابھی نکاح کے وقت تین مرتبہ اس کا نام لیا گیا تھا تمہارے سامنے۔“

دانیال ایک دم گڑبڑا سے گئے یقیناً ان کی غائب دماغی کا مظاہرہ اس وقت آغا جان کو بھایا نہیں تھا۔

”جی، جی بالکل...... سوری وہ میں کچھ سوچ رہا تھا۔“ وہ بے ربط سے ہونے لگے۔ انہیں ڈھنگ کی وضاحت بھی نہیں سوجھی آغا جان بہت دھیان سے انہیں دیکھ رہے تھے، وہ بری طرح جز بز ہوئے۔

”اس او کے جاؤ اب اس سے مل لو۔ میں ویسے بھی نماز پڑھنے جارہا ہوں۔“ انہوں نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا تو دانیال ان کے سامنے سے ہٹ گئے اور آغا جان کے بتائے کمرے کی سمت جاتے انہیں گمان تک نہ تھا یہ وہی عبیر ہوسکتی ہے جسے وہ بری طرح جھڑک کر چلے گئے تھے۔

♥☆......☆♥

وہ عجیب دلہن تھی۔ جس کے ہاتھوں پیروں پر حنا مہکی تھی نہ تن پر سرخ جوڑا تھا، بنا کسی زیور گہنے کے، بنا کسی سنگھار کے بھی وہ اس پل صرف تازہ غسل سے ہی نکھر کر گویا چودھویں کے چاند کی مانند جگمگانے لگی تھی۔ دادا کے فوری نکاح کے آرڈر پر وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی۔ انکار کردینے کی نیت سے دادا کے کمرے کی جانب آئی تو یہاں دانیال بخاری کو دیکھ کر پتھر کی ہوگئی۔ ان کی بات چیت کو سن کر اسے یوں لگا جیسے وہ فرش سے یکلخت عرش پر جا پہنچی ہو۔ معجزہ ہی تو ہوا تھا۔ جو ناممکن تھا، وہ ممکن ہونے جا رہا تھا۔ تو یہ خوش بختی اس کے نصیب کی تھی جسے اس نے پوری آمادگی کے ساتھ قبول کرلیا تھا۔

”جایئے سر! عبیر نے آپ کی تمام خطاؤں کو معاف کیا۔“ نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے اس نے بڑی انوکھی ترنگ میں آکر سوچا تھا۔ سب کچھ اتنی ایمرجنسی میں ہوا تھا اس کا حلیہ بھی عجیب سا ہو رہا تھا قاضی صاحب کے کمرے سے جاتے ہی وہ الماری سے اپنا سب سے اچھا جوڑا نکال کر واش روم کی سمت بھاگی اور دانیال کے آنے سے قبل وہ بہت اچھی طرح تیار ہونا چاہتی تھی اتنا تو اسے بھی پتا تھا اب بہت جلد ان سے سامنا ہوگا اس کا مگر اتنی جلدی کی اسے امید نہیں تھی۔ باتھ لے کر وہ واش روم سے نکلی تو دروازے پر بہت مدھم انداز میں دستک ہو رہی تھی۔

یقیناً ملازمہ کوئی کھانا لے کر آئی ہوگی۔

اس نے اسی قیاس سے اندر آنے کی اجازت دی اور خود گنگناتے ہوئے گیلے بال تولیے سے خشک کرکے تولیہ بیڈ پر اچھال دیا۔ برش اٹھانے کو ڈریسنگ ٹیبل کی سمت مڑی اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دکھائی دیتے دانیال کے ساکن عکس کو تکتے اس کی گنگناہٹ ہونٹوں میں ہی دم توڑ گئی۔ وہ بھرپور شوخ مسکراہٹ کے ساتھ ان کی سمت ایک جھٹکے سے پلٹی جو حیرت اور شاید رنج سے پتھر بے پلک تک اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں فتح کا خمار چمک بن کر اترا اور ناز سے مسکرا دیا۔

”آپ کو مجھے یہاں دیکھ کر حیرت تو ہوئی ہوگی نا سر! مگر دیکھ لیں۔ راہ چلتی وہ لڑکی آج آپ کی شریک حیات کے روپ میں آپ کے سامنے موجود

www.pkdigest.com

السید پکوان سینٹر

پاکستانی، انڈین، چائنیز اور کانٹینینٹل کھانوں کے ایکسپرٹ

ذائقہ جو مدتوں یاد رہے

تقریب خواہ بیٹی کی ہو یا دعوت ولیمہ یا آپ کے لخت جگر کی سالگرہ

دعوتِ نیاز ہو یا دعوتِ حلیم

ڈسکاؤنٹ کے ساتھ

رابطہ: السید پکوان: اقبال پلازہ فیز 1۔ 52-C-11
نزد فیاض شیرمال ناگن چورنگی نارتھ کراچی

فون: 021-36932206/0332-3580243
0321-2048430/0300-2830961

نوٹ: ہمارے پاس تمام کھانے حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق تیار کیے جاتے ہیں

ہے۔"

"تم..... عبیر..... تم۔" وہ جیسے صدمے رنج اور کسی عظیم نقصان پر ششدر تھے۔

"ہاں میں! بتایئے، آپ کو اپنی منکوحہ کے روپ میں کیسی لگی ہوں؟" وہ گیلے بال جھٹکتے ہوئے عین ان کے سامنے آن رکی۔ جدید تراش خراش کے سوٹ میں اس کا ہوشربا سراپا حواسوں پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ وہ اس پل دوپٹے سے بے نیاز تھی اور اس نے اس تکلف میں پڑنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

دانیال کو اس کی بے باکی بہت شدت سے محسوس ہوئی تو لب بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

"آپ یقیناً دھوکے میں مارے گئے ہیں سر! اگر آپ کو پتا چل جاتا تو آپ انکار کردیتے۔ میں بھی انکار کرنے ہی آرہی تھی مگر آپ کو دیکھا اور ارادہ بدل لیا۔ کیا کھیل کھیلا ہے نا نصیب نے، مجھے ہاری ہوئی بازی دی اور آپ کو جیتی ہوئی بازی ہرا گیا۔" وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ دانیال نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کو اور بھی سختی سے بھینچ لیا اور کچھ کہے بغیر قدم دروازے کی سمت بڑھا دیے۔

"ارے ارے کہاں جارہے ہیں آپ؟ یہ تو بتاتے جایئے کہ اب میں آپ کو کیا کہوں؟ دانیال صاحب؟ یا پھر سر یا سرتاج۔" اس کی آنکھوں میں شوخی اور شرارت تھی تو آواز میں بھرپور کھنک۔ ان کا بازو پکڑے وہ بڑے ناز سے پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

"آغا جان کے مجھ پر لاتعداد احسانات ہیں اور میں ان احسانوں کے عوض تمہیں اپنانے پر مجبور ہوا ہوں۔ جیسے بھی ہی، میری زندگی میں آکر شامل ہو ہی گئی ہو تو بس یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے بے باک اور بولڈ لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔" انہوں نے بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بے حد نخوت سے کہا اور پلٹ کر دروازہ پار کر گئے۔

عبیر نے ان کی بات سنی اور جیسے سن کر اڑا دی۔ وہ بڑے دھیان سے تیار ہورہی تھی۔ مگر اس وقت اس کے ارمانوں پر اوس گر گئی جب شام کو دادا سے ملاقات پر پتا چلا کہ دانیال واپس لاہور جاچکے ہیں۔

"کیوں دادا! کیا آپ کے یہ لے پالک بیٹے صاحب اتنے مصروف ہیں کہ اپنی شادی کا پہلا دن بھی اپنے گھر پر نہیں گزار سکے؟" وہ اس صدمے سے نکلی تو توہین کے احساس سے سلگ گئی۔

دادا نے بہت حیرت کی نگاہ سے اس کا غصہ دیکھا۔

"خیریت ہے نا بیٹا' کہاں تو تم شادی کے لیے تیار نہیں تھیں اور کہاں اب دانی کے چلے جانے پر خفا ہورہی ہو؟" ان کے لہجے میں جو چھیڑ اور شوخی کا رنگ تھا اس کو محسوس کرکے وہ ذرا سا جھینپی پھر منہ پھلا کر بولی تھی۔

"اس لیے کہ اب جب آپ نے مجھے مجبور کر ہی دیا ہے تو میں نے بھی مشرقی لڑکی کی طرح دل و جان سے اس فیصلے کو قبول کیا ہے مگر دادا آپ کے لے پالک بیٹے نے آپ کی حسین وجمیل پوتی کی بہت انسلٹ کی ہے۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ میرا لے پالک بیٹا نہیں ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنی اولاد کی طرح ہی سمجھا ہے دوسری بات یہ کہ وہ کہہ رہا تھا ابھی صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی پر وہ چھٹیاں لے کر آئے گا۔" انہوں نے مسکرا کر وضاحت دیتے گویا پوتی کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

"آپ کے یہ صاحب بہادر ہمارے کالج میں ہی پڑھاتے ہیں، بتایا تو نہیں ہوگا؟" اس نے ایک اور شکایت کی دادا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"بتایا ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ جانتا تک نہ تھا کہ عبیر میری پوتی ہے۔ چائے پینی ہے تو بنوالو، میں نے تو کچھ دیر قبل دانیال کے ساتھ پی لی تھی۔" دادا نے یک دم موضوع بدل کر کہا تو وہ بے دلی سے سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

......☆□☆......

"اب کب آئیں گے آپ؟" اس نے خود فون کیا تھا سلام کے بعد چھوٹتے ہی پوچھا۔

جواباً چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ رسانیت سے گویا ہوئے۔

"میرا وہاں کا چکر روز روز نہیں لگتا۔ سالوں بعد حویلی کے در و دیوار دیکھ پاتا ہوں۔"

"مگر اب صورت حال مختلف ہے جناب! آپ کی جوان خوب صورت اور نئی نویلی دلہن ہے یہاں۔" اس نے بہت زعم سے اٹھلا کر کہا مگر اگلے ہی لمحے ان کے جواب پر یہ زعم قدموں کی دھول بن چکا تھا۔

"مگر مجھے اس بدلی ہوئی صورت حال سے بھی فرق نہیں پڑا۔ میرا آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

وہ اس سبکی پر تلملا اٹھی۔ جبھی چیخ پڑی۔

"تو یہ بات آپ دادا کو بتایئے۔"

دوسری سمت خاموشی چھا گئی تب وہ اس خاموشی پر بھڑک کر بولی۔

"میں آپ کو اپنے حقوق غصب کرنے نہیں دوں گی دانیال صاحب! یاد رکھیے گا۔" ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا البتہ اگلے لمحے کال ڈراپ ہوگئی۔ وہ زچ ہوئی تھی اور اسی غصے میں پھر ان کا نمبر ڈائل کیا مگر کال ریسیو نہ ہوئی۔ وہ بھی ڈھیٹ بن گئی تو دوسری طرف سے سیل آف کردیا گیا۔ وہ ناسوچے سمجھے اٹھی اور دادا کے پاس چلی آئی۔

"دادا! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" انہیں فون پر بات کرتے دیکھ کر بھی اس نے کہا تھا۔

دادا نے ہاتھ کا اشارہ رکنے کے لیے کیا اور بات جاری رکھی۔

"ہاں بولو کیا بات ہے؟ جس کے لیے میری بیٹی کو اتنا غصہ آرہا ہے۔" دادا نے فون بند کرکے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر شگفتگی سے استفسار کیا اور وہ اصل بات کہتے کہتے ایک دم جھجک گئی۔

"میری پڑھائی کا حرج ہورہا ہے دادا! آپ نے مجھے یہاں بلوا کے بٹھالیا ہے۔" اسے کچھ تو کہنا تھا دادا جیسے اس کی بات پر قائل ہونے والے انداز میں بولے۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر اب تمہارے حوالے سے کوئی بھی فیصلہ میں تنہا تو کرنے سے رہا۔ اس روز بھی دانیال نے کوئی بات نہیں کی۔ ان کا پُرسوچ انداز دیکھ کر عبیر کو تاؤ آنے لگا۔

"انہوں نے نہیں کی تو آپ کرلیں نا! ویسے بھی ضرورت ہماری ہے، ان کی نہیں۔"

"ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو میں بات کروں گا اس سے۔" ان کے نرمی سے کہنے پر وہ کسی حد تک مطمئن ہوکر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

....../☆☆/......

"السلام علیکم!"

وہ لان میں جھولے پر بیٹھی تھی۔ گود میں پروین

www.pkdigest.com

شاکر کی کتاب بھی کانوں پر ہینڈ فون لگا ہوا تھا۔ ایک ٹائم میں وہ میوزک بھی سن رہی تھی کتاب بھی پڑھ رہی تھی اور جھولا بھی جھول رہی تھی مگر حقیقت یہ تھی کہ دل کسی چیز میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ جب بالکل غیر متوقع طور پر وہ ایش گرے سوٹ میں اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟" انہوں نے کسی قدر سرسری سے انداز میں جواب دیا تھا۔ جواباً اسے شوخی سوجھ گئی۔

"آپ کے سامنے ہوں آپ بتایئے نا کیسی ہوں؟ ویسے آج تک جتنے بھی لوگوں نے مجھے دیکھا ہے ہر کوئی یہی کہتا ہے بہت خوب صورت ہوں۔" اپنے روبرو پاتے ہی خوشی انبساط فخر اور تبسم اس کے انگ انگ سے عیاں ہونے لگا تھا۔

"آغا جان موجود ہیں نا؟" وہ اس کی بات سرے سے اگنور کر گئے عبیر کے اندر توہین کے سلگتے احساس نے آگ لگا دی۔ وہ تلملا کر اٹھی اور آگے بڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔

"ایک بات بتائیں، آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں؟" اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے بھی بھاپ نکل رہی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ آہستگی سے کہہ کر قدم بڑھا چکے تھے جب اس کی مدھم مگر بھیگی آواز پر ٹھٹکے تھے۔

"میں نے آپ سے محبت کی ہے سر! مجھے اس طرح سے اگنور کر کے اتنی بڑی سزا مت دیں۔" انہوں نے گردن موڑی دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے سسک رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتے رہے پھر تیزی سے لان کی سیڑھیاں پھلانگ گئے جب کہ وہ یونہی سسک رہی تھی۔

☆......☆......

اس بار وہ آتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ عبیر تو اتنی بڑی خوشی پا کے گویا ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے شاور لیا تھا پھر اسے دیکھ کر بولے تھے۔

"میں کھانا لے آتا ہوں، اس دوران اگر تم فریش ہونا چاہو تو......؟"

"سر! میرا خیال تھا آپ مجھے شاہ کے گھر چھوڑ دیں گے مگر...... تھینک یو سر! تھینک فار دس آنر۔" اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

دانیال نے نظر بھر کے اسے دیکھا اور گہرا سانس کھینچا تھا۔

"مجھے اگر اپنا فرض اور ذمہ داری نہ نبھانی ہوتی تو میں یہ نکاح نہ کرتا۔ پھر آغا جان کے حوالے سے بھی تم میرے لیے بہت اہم ہو مگر عبیر ایک پرابلم ہے، وہ یہ کہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں کچھ اپ سیٹ ہو کر رہ گیا ہوں، اس دوران میں کچھ عرصہ سنبھلنے کے لیے لینا چاہتا تھا مگر تم نے...... خیر اب تم میرے مسئلے کو سمجھو، ایک حادثے نے مجھے برف کر دیا تھا۔ یہ برسوں کی برف ہے جسے پگھلنے میں وقت تو لگے گا۔"

"کون سا حادثہ؟"

وہ اٹھ کر ان کے نزدیک آ گئی اتنی نرمی اتنے سبھاؤ سے بات کرنے پر اسے ناقابل بیان خوشی ہوئی تھی۔ اس سوال پر دانیال نے بے اختیار نظریں چرائیں اور لب بھینچ لیے۔

"وہی محبت...... میں نے اتنا عرصہ آپ کو...... او کے فائن ڈونٹ وری، میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا تو دانیال نے مشکور و

ممنون نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر آہستگی سے مسکرا کر کمرے سے نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......

"دیکھ لیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" چھٹی کا دن تھا دانیال اسے شاپنگ کے لیے لے کر آئے تھے۔ عبیر نے یہ خوش خبری شاہ کو سنائی تھی۔ جس پر اس نے مبارک باد کے ساتھ ہی دعوت بھی کر ڈالی۔

"اپنے بڈھے شوہر کو لے کر رات کا کھانا ہماری طرف کھانا۔" وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی جب کہ عبیر نے اس کی بات کا بے حد برا منا لیا۔

"خبردار جو تم نے انہیں بڈھا کہا۔ ہمیشہ کے لیے لڑائی ہو جائے گی تم سے۔" اس کی دھمکی پر شاہ کی ہنسی مزید بڑھ گئی۔

"پھر اور کیا کہوں؟ یار تمہارے ابا سے چند برس ہی چھوٹے ہوں گے وہ...... [illegible]"

"سو واٹ! مجھے فرق نہیں پڑتا، میں بس اتنا جانتی ہوں مجھے وہ بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"ہاں ہاں جانتی ہوں جبھی تو دعوت کر رہی ہوں تمہاری تاکہ محترم کو بتاؤں تم کیسے پاگل تھیں ان کی خاطر۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود یہ سب بتا دوں گی۔" اس نے نخوت سے کہا اور شاہ نے جواباً ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"اوہ سوری میں یہ تو بھول ہی گئی تھی کہ تم کتنی بے شرم ہو۔" پھر اس نے دانیال سے بات کروانے کو کہا تھا۔ وہ فون لیے ان کی تلاش میں آئی تو دانیال کو شیو میں مصروف پایا اس کے کہنے پر انہوں نے شاہ سے رسمی سی چند باتیں کیں۔

"کیا ضرورت تھی عبیر کسی کو بتانے کی؟" ان کا موڈ کچھ خفا سا تھا مگر سنجیدگی حد سے سوا۔ عبیر کو بے حد عجیب لگا۔

"تو کیا نہیں بتانا چاہیے تھا؟ میں کالج جاتی تب بھی تو لوگوں کو پتا چلنا تھا نا!"

"میں نے کہا تھا مجھے کچھ ٹائم چاہیے مگر آپ بھول گئی ہوں گی اپنی بے پایاں خوشی میں۔" ان کے لہجے میں خفیف سا طنز امڈ آیا۔

عبیر کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گئی تھی۔ اس شام جب انہوں نے اسے خریداری کے سلسلے میں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو صبح کی بدمزگی کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔ تبھی وہ رکھائی سے بولی تھی۔

"مجھے ساتھ لے کر جائیں گے تب بھی لوگوں کو ہمارے رشتے کی خبر ہو سکتی ہے سر! اس سے پہلے بھی آپ اکیلے یہ کام کرتے رہے ہیں۔"

"لیکن وہ میرے اپنے کام تھے۔ مجھے خواتین کے لیے شاپنگ کرنا نہیں آتی پلیز۔" انہوں نے کچھ دیر بہت دھیان سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد متوازن لہجے میں کہا اور عبیر مزید انکار نہیں کر پائی۔

"مزید کچھ چاہیے؟" جب اسے کپڑے، جوتے، کاسمیٹکس، ضرورت کی دوسری بیشتر چیزیں دلا چکے تھے تب انہوں نے اس سے سوال کیا اور وہ جو ان کی سنگت میں بے حد خوش اور مگن سی تھی بے اختیار مسکرا دی۔

"مجھے آپ چاہیے تھے سر! تھینک گاڈ کہ آپ مجھے مل گئے۔"

اتنا واضح اظہار...... ان کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کے گزر گیا۔ مگر وہ اپنی بات نہیں دہرا سکے کہ مجھے بے باک لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ پتا نہیں کیوں انہوں نے دانستہ خاموشی اپنائی تھی اور وہ ان

www.pkdigest.com

کے ہمراہ چلتی ہوئی ایکدم سے رک گئی۔

"آپ نے ابھی تک مجھے رونمائی گفٹ نہیں دیا دانیال!"

"میں نے ابھی تک آپ کو اپنی دلہن بھی نہیں بنایا، ڈونٹ وری، ایسا جب کروں گا پہلے آپ کو گفٹ ضرور دوں گا۔" جواب میں ہمیشہ والی سنجیدگی اور نخوت نہیں تھا بلکہ اس پل ان کی آنکھوں میں تبسم کی ایک ننھی سی کرن بھی چمکی تھی۔ اس کے چہرے پر اپنے جواب سے بکھر جانے والی جھینپ کو انہوں نے استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھا تھا اور مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑے گاڑی کی سمت ہو لیے تھے۔

○○○○

دادا کا اچانک عمرہ کا ہی ارادہ بن گیا تھا یا پھر انہوں نے آگاہی اب کیا تھا۔ انہیں اپنے پاس بلوانے کی بجائے وہ خود ملنے چلے آئے تھے۔

"میں نے سوچا زندگی میں ایک بار تو پوتی کو اس کے گھر میں بستا دیکھ آؤں۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ ثبت کرتے ہوئے کہا تو عبیر کا دل جانے کیوں ڈوب سا گیا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے بولی تھی۔

"عمرہ سے واپسی پر میں آپ کو حویلی میں تنہا نہیں رہنے دوں گی دادا! بس آپ میرے ساتھ رہیں گے۔"

"نہ بیٹا باپ دادا بیٹیوں کے گھروں میں قیام نہیں کیا کرتے۔"

"لیکن دادا یہ آپ کے بیٹے کا گھر ہے۔ دانیال آپ کے بیٹے نہیں ہیں کیا؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"تو بس پھر آپ نے واپسی پر یہیں رہنا ہے۔ ہمارے ساتھ۔"

دادا بس مسکرکر رہ گئے تھے۔

☆☆

"دانیال ایک بات کہوں؟" وہ کالج جانے کو تیار ہو رہے تھے جب وہ ناشتے کی ٹرے لیے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

"حکم کیجیے؟" انہوں نے ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے آئینے میں سے اسے دیکھا۔

"مجھے ماما سے ملوانے لے چلیں گے؟"

"کہاں ہوتی ہیں وہ؟" دانیال کی تیاری مکمل ہوگئی تو وہ ٹیبل کے نزدیک آ کر ناشتے کی طرف متوجہ ہوئے۔

"خانیوال کا کوئی گاؤں ہے وہ' دادا بتاتے ہیں جب میرے بابا کی ڈیتھ ہوئی تو میں صرف دو سال کی تھی اور ماما مجھے دادا کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ دادا نے ہی مجھے اپنے پاس رکھا۔ جب ذرا بڑی ہوئی تو پھر ہاسٹلز میں' پھر دادو کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔"

"کیا انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی جو تمہیں آغا جان کے سپرد کر دیا تھا؟" انہوں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے استفہامی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس نے کاندھے اچکا دیے۔

"شاید..... پتا نہیں۔ دادا نے مجھے کبھی ان کے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں، ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ میری ماما کی کچھ مجبوریاں تھیں۔ ویسے میں تو سمجھتی تھی آپ کو علم ہوگا۔ آپ کا بھی تو بہت گہرا تعلق تھا نا حویلی سے۔"

"میرا تعلق بس آغا جان اور بی بی جان سے تھا۔ حویلی کی باقی خواتین مجھ سے کا بہت سخت پردہ تھا جب کہ آغا جان کے بیٹوں کے ساتھ کبھی میری دوستی نہ ہو سکی۔ وہ سب پہلے ہاسٹلز میں تھے پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر چلے گئے۔ میں ویسے بھی ان

سے چھوٹا تھا۔" انہوں نے بہت تفصیلی جواب دیا تھا۔ عبیر نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"کل میرے پاس ان کا فون آیا تھا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔"

"آغا جان کی؟" وہ چونکے۔

"نہیں ماما کی' تبھی میں نے ان سے ملنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کل سنڈے ہے، آپ چلیں گے نا میرے ساتھ؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ اسی بہانے ہم اپنی ساس صاحبہ کا دیدار بھی کر لیں گے۔" نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہوں نے کسی قدر شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دی۔

سفر لمبا تھا پھر سردیوں کی تو شامیں بھی جلدی ہو جاتی ہیں اور انہیں رات کا لبادہ اوڑھنے کی بھی بہت عجلت ہوتی ہے۔ جب وہ لوگ پتا ڈھونڈ ڈھانڈ کر مطلوبہ مکان تک پہنچے تو قریبی مسجد سے عشاء کی اذان بلند ہونا شروع ہو گئی تھی۔ عبیر کا تھکن سے برا حال ہو چکا تھا۔ دانیال نے خستہ حال سے دروازے کے باہر لٹکتی زنجیر ہلا کر دستک دی۔ ایک بار دو بار پھر تیسری بار کی دستک پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ وا ہوا اور زرد بلب کی ملگجی روشنی میں ایک نوعمر لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔ دانیال نے اپنا تعارف کروایا تھا اور اندر آنے کی اجازت بھی مانگی۔

"اچھا اچھا آپا جی کی بیٹی ہیں آپ۔ آیئے باجی آیئے پائی جان۔ آپا جی مجھ سے آپ کی بہت باتیں کرتی ہیں۔ میں ان کی شاگرد ہوں جی۔ آج کل آپا جی بیمار ہیں نا تو اس وجہ سے اماں نے مجھے ان کے پاس چھوڑا ہوا ہے۔ آپ بیٹھو۔"

وہ انہیں ڈیوڑھی سے ملحق چھوٹے سے کمرے میں لے آئی جہاں غلافوں سے ڈھکی کرسیاں ایک چھوٹی میز اور دو مونڈھے پڑے تھے، کمرے کی فضا میں سیلن زدہ تھی لڑکی نے بٹن دبا کر سوئچ آن کیا تو کمرے کی ہر شے واضح ہو گئی۔ عبیر نے سرسری سا جائزہ لیا اور نخوت سے بولی تھی۔

"ماما کہاں ہیں؟"

"ماما؟ اوہ اچھا آپ اپنی امی یعنی آپا کا پوچھتی ہو، وہ تو جی مغرب کے بعد کا وظیفہ پڑھ رہی ہیں۔ اتنی بیمار ہیں پھر بھی نماز لازمی پڑھتی ہیں تہجد تک۔ چاہے لیٹ کر ہی پڑھیں۔ ویسے میں ان کو آپ کی آمد کا بتاتی ہوں۔ آپ بیٹھو۔"

وہ بے حد باتونی تھی، ہر بات کا مفصل جواب بڑی رغبت سے دیتی تھی اس کے جانے کے بعد عبیر یوں کرسی پر تنکی جیسے اگلے ہی لمحے اٹھ کر بھاگ جانے کا ارادہ ہو۔ اس کے برعکس دانیال بخاری ریلیکس نظر آ رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد دوبارہ اسی لڑکی کی شکل نظر آئی جس کے ہاتھ میں چائے کے برتنوں کی ٹرے تھی۔

"آپا جی کہہ رہی ہیں نماز پڑھ کر ملیں گی۔ آپ تب تک یہ چائے پیو۔ وظیفے کے دوران بات نہیں کرنی ہوتی نا!" وہ چھوٹی میز پر ٹرے رکھ کر میز کو ان کے نزدیک لے آئی۔ عبیر کو بہت برا محسوس ہوا تھا دانیال کے سامنے اس قسم کی بات سننا' یعنی اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی ان کے نزدیک۔ زندگی میں پہلی بار گھر آئے داماد اور بیٹی کی۔

"آپ کھانا کھاؤ گے جی؟" لڑکی سادگی سے سوال کر رہی تھی عبیر کا ضبط جیسے ختم ہو گیا تھا۔

"نہیں اور یہ اپنی چائے بھی اٹھا کر لے جاؤ۔ اٹھیں دانیال چلیں بس۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اس کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

لڑکی ہونق نظر آنے لگی۔ دانیال نے چونکتے

www.pkdigest.com

ہوئے عبیر کو دیکھا تھا پھر تحمل سے بولے۔

"بیٹا! آپ جاؤ، چائے ہم خود بنا لیں گے۔ کھانے کے لیے تکلف نہ کرنا جو کچھ گھر میں پکا ہے، وہی کھا لیں گے۔" لڑکی عبیر کے تیور سے خائف ہو چکی تھی، سر ہلاتی عجلت میں باہر نکلی۔ تب دانیال عبیر کی سمت متوجہ ہوئے۔

"کام ڈاون عبیر! کیا ہو گیا ہے؟"

"آپ نے دیکھا؟ اس سے بڑھ کر بھی بے عزتی ہوگی بھلا۔ انہیں ہم سے ملنا تک گوارا نہیں۔" اس کا گلا رندھ گیا اور آواز بھرا گئی۔ دانیال نے اٹھ کر اس کے نزدیک آنے کے بعد نرمی و آہستگی سے اسے ساتھ لگا کر تھپکا پھر رسانیت سے بولے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے عبیر! انہوں نے ملنے سے انکار تھوڑی ہی کیا ہے، عبادت میں مصروف ہیں، تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ ریلیکس۔" نرم گرم پھوار کی طرح برستا دھیما لہجہ اپنائیت و محبت کا مظہر ان کی گرفت نے اس کے غصے پر نرم پھوار کا کام کیا تھا۔ انہوں نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھے پھر اسے کرسی پر بٹھا کر چائے بنا کر دی۔ لڑکی کچن میں مصروف تھی۔ برتنوں کی مدھم کھنک سے یہ اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔

اسی لمحے آہٹ سی ہوئی۔ دانیال نے دروازے کی سمت دیکھا تو کوئی خاتون سرتاپا سفید چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی تھیں مگر خاتون کے قدم دہلیز پر ہی تھم گئے تھے۔ "عبیر! تم ابھی اور اسی وقت واپس چلے جاؤ۔" ان کا لہجہ تحکمانہ تھا اور دانیال نے ایک نظر میں جیسے سالوں کے فاصلے سمٹ لیے تھے۔

"تمکنت......! احساس ذلت سے ان کا چہرہ سرخ پڑ گیا پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے گھر سے باہر نکل گئے۔ جب کہ عبیر بھڑک اٹھی تھی۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگا آپ کا یہ گریز۔ آپ ساری زندگی مجھ سے کسی چوری کے مال کی طرح چھپی رہیں۔" کیوں آپ نے اپنے جیتے جی مجھ سے دستبرداری اختیار کیے رکھی؟ مجھ سے ملنا بھی گوارا نہ کیا۔ اگر کبھی آئیں بھی تو گھڑی دو گھڑی کے لیے۔ آپ کو احساس تک نہ تھا کہ آپ کی یہ حرکت میری تشنگی میری پیاس کو کیسے بڑھاوا دیتی ہے۔ اب جب کہ میں آپ سے خود ملنے آئی تو آپ نے پھر بھی شکل دکھانا گوارا نہ کیا اور اب کہہ رہی ہیں میں یہاں سے ابھی چلی جاؤں۔ مجھے یہ بتائیں آپ اتنی بے حس کیوں ہیں۔ آپ ماں ہی ہیں تو ممتا کے احساس سے کیوں محروم ہیں؟" عبیر گھٹی گھٹی سسکیوں کے درمیان تیز تیز بول رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے۔ دانیال بخاری نے اس چویشن میں خود کو عجیب محسوس کیا تو خواہ مخواہ کھنکار کر گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ عبیر کے ساتھ وہ بھی چونکی تھیں اور [illegible] انہوں نے بہت سرعت سے اپنا چہرہ ڈھانپا تھا۔ عبیر کو ان کی اس حرکت سے آگ لگ گئی۔

"ماما یہ میرے شوہر ہیں یعنی آپ کے داماد اور آپ کے بیٹے ہوئے یہ ان سے آپ کا پردہ نہیں۔" اس کا لہجہ گہرا طنز سموئے ہوئے تھا۔ وہ آگے بڑھی تھی اور ان کے چہرے کو ڈھانپے چادر کا پلو ہٹا دیا۔ پھر دانیال کو دیکھ کر اسی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"آئیے نا آپ۔"

مگر وہ قدم بھی نہیں بڑھا سکے۔ وہ تو منجمد ہو گئے تھے گویا وقت بھی ساکن ہو گیا ہو۔ وہ غیر یقین پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ جس پر وقت نے تمام تر بے رحمی سے اپنے اثرات مرتب کیے تھے۔ مگر یہ وہ آنکھیں تھیں جس

نے اس چہرے کا طواف کسی عاشق کی طرح کیا تھا۔ وہ اس چہرے کی تلاش میں بیس سال تک بھٹکتے رہے۔ وہ اس چہرے کو بھول بھی جاتے تو ان آنکھوں کو نہیں بھول سکتے تھے۔ وقت نے کیا وار کیا تھا۔ کتنی بے رحمی کے ساتھ، تمکنت ان کے سامنے آئی تھیں مگر عبیر کی ماں کے روپ میں۔ انہوں نے شکست خوردگی میں گھبرا کر اپنے سامنے پتھر کی طرح ساکت اپنی اس بیٹی کو دیکھا جس کے بہتر اور محفوظ مستقبل کی خاطر انہوں نے اپنی ممتا کے تمام جذبوں کا گلا بہت بے دردی سے دبا دیا تھا۔ اگر آج آفاق زندہ ہوتے تو شاید زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی مگر آفاق کی وفات کے بعد انہوں نے خود پر ہر خوشی اور راحت کا ہر دروازہ بند کر دیا تھا۔ ایک فیصلہ جو بہت کٹھن تھا مگر ناگزیر تھا۔ انہوں نے عبیر کو ان کے حوالے کر دیا تھا۔ جسے لینے کے لیے وہ کسی طور آمادہ ہی نہ ہو رہے تھے۔

"یہ آپ کے بیٹے کا خون ہے خان صاحب! آپ کے خاندان کی عزت۔ آپ کا بیٹا اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے اور یہ اس کی بہت پیاری بیٹی ہے۔ اپنا جگر کاٹ کر آپ کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئی ہوں تو اس کی وجہ میرے حالات ہیں۔"

اور وہ تو جواں سال بیٹے کی موت کا سن کر ہی ڈھے گئے تھے۔ تمکنت کی بات اتنی غلط بھی نہ تھی۔ انہوں نے بچی کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ اس کے بعد بھی تمکنت پر زندگی کڑی ہی رہی تھی اور وہ ایسی گئی کہ پھر پلٹ کر نہیں آئی تھی جبھی زندگی کی ہر سختی کو برداشت کر لیا اور بچیوں کو درس قرآن کی تعلیم ایک مدرسے میں دینا شروع کر دی۔ پہلے تو مدرسے کے حجرہ میں ہی رہائش کا انتظام ہو گیا پھر وہ مدرسے کسی وجہ سے بند ہوا تو وہ اس مکان میں آ گئی اور محلے کی بچیوں کو پڑھانے لگیں۔ محلے والے بہت احترام سے پیش آتے اور بے شک اللہ ہی سب کا محافظ و رازق ہے۔ زندگی گزرتی گئی وہ کبھی کبھار جب دل بہت وحشت سے بھر جاتا تو عبیر کو دیکھ آتیں۔ اسے ان سے بہت شکوے تھے۔ مگر وہ مجبور تھیں۔

اب بھی اس کی شادی کی خبر پر جتنی آسودہ ہوئی تھیں یہ وہی جانتی تھیں ورنہ سجدوں میں ان کی صرف ایک ہی التجا کی تھی خدا سے۔ عبیر کے اچھے ساتھی کی دعا۔

"یہ آپ کو جانتے تھے؟"

"کون......!" وہ ہکلا گئیں۔

"دانیال اور کون؟ یہ آپ کو ایسے کیوں دیکھتے رہے۔ اف کیا کچھ نہ تھا ان کی نگاہوں میں شناسائی، پہچان" "او میرے خدایا!" وہ سر جھٹکنے لگی۔

"دانیال...... کسی اچھے بھروسے کے آدمی سے تو تمہارے دادا نے تمہاری شادی کی ہے نا؟" ان کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔ عبیر کی بات پر وہ بہت بے چین ہو گئی تھیں۔

"یہ دانیال ہیں۔ بہت بھروسے کے آدمی ہیں دادو کے، بچپن سے انہی کے پاس رہے ہیں۔ ان کے لے پالک بیٹے ہیں۔ شاید آپ کو جانتے ہوں گے مگر کیسے؟" وہ الجھ کر کہہ رہی تھی اور تمکنت، وہ اس تعارف اس حوالے کو پاتے ہی ٹھٹک گئیں۔ نگاہوں کے آگے سے جیسے سارے پردے اٹھنے لگے یادداشت پر دانیال اب بہت واضح طور پر ابھر آیا تھا اور ان کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ ان کے پہلو میں اچانک بہت زور کا ناقابل برداشت درد اٹھا اور وہ کراہ کر نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

☆☆......☆☆

www.pkdigest.com

بہت دن ہو گئے تھے انہیں واپس آئے ہوئے۔ بہت دن سے وہ کالج بھی نہیں جا رہے تھے۔ دل تھا کہ کوئی وحشی پرندہ جو سینے کے پنجرے میں دن رات پھڑپھڑاتا اور اپنا زخمی وجود لیے کراہتا رہتا۔ کتنی وحشت اتر آئی تھی ان کے اندر۔ تمکنت ان کی محبت' ان کا جنون' ان کا عشق۔ جس کی خاطر انہوں نے کیسے کیسے جبر نہ کاٹے تھے اور عبیر ان کی بیٹی۔ وہ سوچتے اور گویا کانٹوں پر لوٹنے لگتے' یہ قسمت کا کیسا وار تھا وہ گھٹ گھٹ کر سوچتے گئے۔ وہ دادا کی پوتی تھی اور آفاق ان کے بیٹے۔ انہیں یہ خیال پہلے کیوں نہ آیا کہ وہ تمکنت کی بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ جب کہ دادا نے بتایا بھی تھا کہ عبیر کے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ ان کے باقی کے دونوں بیٹے تو بیرون ملک تھے اور حیات بھی پھر انہیں بھی کوئی اس قسم کا خیال کیوں نہ آیا۔ قدرت نے ان کی سوچوں کو تلف ہی اس لیے کیا تھا کہ اس کا سنجوگ اس انداز میں لکھا تھا۔

بہت دنوں بعد وہ ذرا سنبھلے تھے اور درد سے پھٹتے سر کے ساتھ اپنے لیے چائے بنانے آئے تھے۔ اک عجیب سی افسردگی، دل شکستگی ان کے ہمراہ تھی۔

''اس لڑکی کا کیا قصور تھا۔ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔''

دماغ نے ملامت کا آغاز کیا اور دل اُداسی کے ساتھ بغاوت اور سرکشی بھی سمیٹ لایا۔

''میرا کیا قصور تھا کہ میری اتنی چاہتوں کے باوجود میری محبت نہیں ملی۔''

''قدرت اپنے فیصلوں میں آزاد ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کر دے انسان مجبور اور بے بس ہے ازل سے۔''

دماغ نے پھر سے توجیہہ دی اور وہ لب بھینچ کر بھاری دل کے ساتھ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئے تو ان کا سیل بج رہا تھا۔ خاموش ماحول میں یہ آواز بہت واضح تھی۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئے اور آگے بڑھ کر جب فون اٹھایا تو وہ بند ہو چکا تھا۔ انہوں نے کال چیک کی۔ عبیر کی تھی' گزرے ہوئے دنوں میں متعدد بار یہ نمبر ڈائل کیا گیا تھا اور بے شمار میسج جنہیں انہوں نے پڑھے بغیر سیل فون واپس رکھ دیا۔ ابھی پلٹے بھی نہیں تھے کہ بیل پھر سے بجنے لگی۔ اس بار نمبر نیا تھا انہوں نے تھکے ماندے سے انداز میں کال ریسیو کی۔

''دانیال! آپ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے ہیں نا؟ میرا نمبر دیکھ کر آپ دانستہ کال نہیں ریسیو کر رہے تھے نا؟'' وہ رو رہی تھی۔

دانیال ہونٹ بھینچے کھڑے رہے۔ اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

''میرا کیا قصور ہے دانیال؟ پھر میں نے تو آپ سے بہت محبت بھی کی تھی۔ اہل دل تو بہت حساس ہوتے ہیں، کسی کو دانستہ دکھ نہیں دیتے۔ آپ نے بھی تو محبت کی تھی کسی سے۔ ماما چلی گئی ہیں دانیال! وہ مر گئی ہیں اور اگر آپ نے مجھے اپنے گھر میں جگہ نہ دی تو پھر میں بھی اپنی ماما کے پاس چلی جاؤں گی۔''

اس نے روتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور دانیال وہ اس خبر پر شاکڈ رہ گئے تھے۔ ان کے آس پاس ایک ہی آواز تھی۔ ''ماما مر گئی ہیں۔''

وہ بے دم سے انداز میں صوفے پر گر گئے تھے۔

☆☆

دانیال اسے لینے آ گئے تھے۔

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ بھی گئی۔ تب بھی جیسے بھو چکی تھی۔ پتا نہیں وہ اتنی شاکڈ کیوں تھی۔ دانیال کے اچانک آ جانے سے وہ ایک دم رو پڑی تھی۔

رہو اپنے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال میں اگر تمہاری کوتاہی محسوس کی تو بہت سختی سے گرفت کروں گا تم پر۔'' انہوں نے محض ماحول کی سوگواری دور کرنے کو موڈ کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا تو بچوں کے ذکر پر عبیر کو ٹوٹ کر شرم آئی اور اپنی پلکیں جھکا کر وہ سرخ چہرے کا رخ پھیر گئی۔ دانیال تو اسے دیکھتے ہی گئے تھے۔

''ارے واہ، تم تو شرماتی ہوئی اچھی خاصی لگتی ہو بھئی، اس کا مطلب ہے مجھے بچوں کا تذکرہ کرتے رہنا چاہیے تاکہ تم شرماتی تو رہو۔'' ان کا موڈ واقعی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ عبیر کے چہرے کی سرخیوں میں اضافہ ہونے لگا۔

وہ بھرپور یقین کے ساتھ کھڑکی کے پار سڑک پر بھاگتی دوڑتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ دور پردہ مغرب میں نارنجی گولا دھیرے دھیرے ڈوبتا جا رہا تھا۔ ان کی گاڑی بہت تیزی سے اپنی منزل کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ دونوں ہی رخصتی کے منظر تھے۔ جو اس سے پہلے ہمیشہ اسے اُداس کر دیا کرتے تھے۔ بے نام سی تھکن کا نادیدہ احساس قدموں کو بوجھل بنا جاتا تھا' مگر آج رخصتی کے یہ دونوں منظر کتنے خوش کن تھے، یہ وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اس نے اب جانا تھا ہر رخصتی کا منظر افسردگی نہیں بخشتا اکثر خوشی اور اطمینان بھی عطا کرتا ہے۔ جیسے اب طے ہونا والا یہ سفر۔ جیسے ڈوب جانے والا سورج اور نئے دن کی سپیدی اور نئی خوب صورت زندگی کا آغاز۔

دانیال بخاری نے ایک نظر اس کے روتے لرزتے سراپا پر ڈالی اور گہرا سانس بھر کر اپنا ہاتھ تسلی کے انداز میں اس کے کاندھے پر رکھا۔

''لیک اٹ ایزی عبیر!'' عبیر نے جیسے کسی خواب سے چونکتے انہیں دیکھا پھر ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بے تحاشا رو پڑی۔ دانیال بخاری کے ٹوٹے بکھرنے کے مراحل سے گزرتے اعصاب ایک دم کشیدگی کا شکار ہوئے تھے۔

''آئی ایم سوری عبیر کہ میری وجہ سے تمہیں اس ذہنی اذیت کا شکار ہونا پڑا۔'' ان کا لہجہ بوجھل تھا۔

''تھینکس دانیال ورنہ میں تو سمجھی تھی ماما کے مرنے کے بعد میں پھر اکیلی رہ جاؤں گی۔ شاید آپ مجھے قبول نہ کرلیں۔''

دانیال نے اس بات پر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا اور ہونٹ باہم پیوست کر لیے۔

''ہاں تم یہی سمجھتی رہو، یہی مناسب ہے۔ میرا بھی بھرم رہ گیا ہے ورنہ اصل حقیقت جان لینے کے بعد تم بھی میری طرح عمر بھر کی اذیت کا شکار رہو گی۔''

''آہ یہ تقدیر کا فیصلہ ہے اور قدرت کے فیصلے ہمارے لیے بہتر ہی ہوتے ہیں، چاہے ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مجھے یہ بات سمجھنے میں ذرا وقت لگا ہے مگر سمجھ لی ہے۔''

''ایگین سوری' میں بھی ایک عام مرد سے مختلف ثابت نہیں ہو سکا شاید۔'' ان کا لہجہ بوجھل تھا۔ عبیر نے ان کے کاندھے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور نفی میں گردن کو جنبش دی۔

''نہیں دانیال آپ عام انسان نہیں ہیں، آپ تو فرشتہ رحمت بن گئے ہیں میرے لیے۔''

''ارے ابھی میں اتنا بھی اچھا نہیں ہوں' بے فکر

www.pkdigest.com